2

دشمن کی مخالفت اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ہماری طاقت اور قوت کو محسوس کرتا ہے

(فرمودہ 21 جنوری 1949ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی دنیا میں کوئی آواز بلند کی جاتی ہے تو دنیا کے لوگ اس کی ضرور مخالفت کرتے ہیں۔ بغیر مخالفت کے خدائی تحریکیں دنیا میں کبھی جاری نہیں ہوئیں۔ خدائی تحریک جب بھی دنیا میں جاری کی جاتی ہے اس کے متعلق بلا وجہ اور بِلا سبب لوگوں میں بُغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اتنا بُغض اور کینہ کہ اسے دیکھ کر حیرت آ جاتی ہے۔ ایک مسلمان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو محبت ہے اس کو الگ کر کے، اُسے آپؐ سے جو عقیدت ہے اسے بُھلا کر اگر صرف آپ کی ذات بابرکات کو ہی دیکھا جائے تو آپ کی ذات انتہائی بے شرّ، انتہائی بےنفس اور دنیا کے لیے انتہائی ایثار اور قربانی کرنے والی معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ اپنی ساری زندگی میں کسی ایک شخص کا بھی حق مارتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ آپؐ کسی سے گالی گلوچ کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ آپؐ کسی جگہ دنگا اور فساد میں مشغول نظر نہیں آتے۔

لیکن قریباً پونے چودہ سو سال کا عرصہ ہو چکا دشمن آپ کی مخالفت کرنے اور آپ کے متعلق بُغض اور کینہ رکھنے سے باز نہیں آتا۔ جو شخص بھی اٹھتا ہے اور وہ مذہب پر کچھ لکھنا چاہتا ہے وہ فوراً آپ کی ذات پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ آخر اس کا کیا سبب ہے؟ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ اس کا بھی یا تو کوئی جسمانی سبب ہوگا یا روحانی سبب ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کا کوئی جسمانی سبب تو نظر نہیں آتا۔ جن قوموں کے ساتھ آپؐ نے یا آپؐ کے خلفاء نے لڑائیاں کی تھیں وہ قومیں تو اب ختم ہو چکی ہیں اور ان کی اولادیں مسلمان ہو چکی ہیں۔ مثلاً عرب ہیں۔ عربوں کے ساتھ آپؐ نے لڑائیاں کیں۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ آپؐ کی مخالفت کا سبب لڑائیاں ہی تھیں تو پھر تو عرب مسلمان ہو چکے ہیں۔ ان کی یاد کو تازہ رکھنے والی دنیا میں کوئی چیز موجود نہیں۔ پھر شامی ہیں، مصری ہیں، عراقی ہیں، ایرانی ہیں ان سب کے ساتھ صحابہؓ نے لڑائیاں کی تھیں لیکن یہ سب قومیں ختم ہو گئی ہیں اور ان کی اولادیں مسلمان ہو گئی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی قومیں تھیں جن سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا لیکن اب یہ سب مسلمان ہو گئی ہیں اور ایسی کوئی نسل دنیا میں نہیں جو یہ کہہ سکے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے اس لیے دشمنی ہے کہ آپؐ نے ہمارے باپ دادوں سے لڑائیاں کی تھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان چونکہ حکومت کرتے رہے ہیں اس لیے لوگوں کو اسلام سے عداوت ہے تو دنیا کے بعض ایسے علاقے بھی ہیں جن پر مسلمان کبھی حاکم ہی نہیں ہوئے۔ اور جن علاقوں پر مسلمان حاکم ہوئے ہیں اُن پر وہ ایسے ہی حاکم ہوئے تھے جیسے دوسری قومیں کسی اَور قوم پر حاکم ہو جایا کرتی ہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ آخر امریکہ کے باشندے بھی تو عیسائی نہیں تھے۔ عیسائی وہاں باہر سے ہی گئے ہیں۔ آسٹریلیا کے باشندے بھی عیسائی نہیں تھے۔ عیسائی وہاں باہر سے ہی گئے ہیں۔ اِسی طرح ویسٹ افریقہ اور ایسٹ افریقہ کے باشندے بھی عیسائی نہیں تھے۔ عیسائی وہاں باہر سے ہی گئے ہیں۔ فلپائن کے باشندے بھی عیسائی نہیں تھے، نیوزی لینڈ کے باشندے بھی عیسائی نہیں تھے۔ ان سب جگہوں پر عیسائی باہر سے ہی گئے ہیں۔ پھر ایسے علاقے بھی ہیں جہاں دوسری قومیں موجود ہیں لیکن عیسائیوں نے اُن پر حکومت کی ہے۔ مثلاً ہندوستان کو ہی لے لو۔ ہندوستان پر انگریزوں نے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عرصہ حکومت کی ہے۔ اب اگر کسی کو دشمنی ہوتی ہے یا کوئی

بُغض اور کینہ رکھتا ہے تو وہ صرف انگریزوں سے رکھتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی دشمنی یا بُغض و کینہ نہیں رکھتا۔

جس طرح انگریزوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے اِس سے کہیں زیادہ نرم اور کہیں زیادہ انصاف اور محبت پر مبنی حکومت مسلمانوں نے کی ہے۔لیکن ہندوؤں کو جو دشمنی حکومت کرنے والوں سے ہے اُس سے کہیں بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اگر ہندوؤں کو صرف مغلوں سے دشمنی ہوتی تو یہ بات سمجھ میں آ سکتی تھی کہ انہوں نے ایک زمانہ میں انہیں مغلوب کر لیا تھا اس لیے انہیں دشمنی ہے۔ پھر ہندوستان پر جیسی حکومت مسلمانوں نے کی ہے ویسی ہی حکومت انگریزوں نے کی ہے۔ اس لیے ہندو انگریز کے تو دشمن ہوں گے، اُنہیں انگریزوں کے متعلق تو بُغض اور کینہ ہو گا کیونکہ انہوں نے ایک لمبے عرصہ تک غلام بنائے رکھا لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے کینہ و بُغض رکھنے والا کوئی ہندو نہیں ملے گا۔لیکن مسلمان حکومت کرتا ہے تو اس کے متعلق اس علاقہ میں بھی بُغض و کینہ پایا جاتا ہے جس پر وہ حکمران رہ چکا ہوتا ہے اور اس سے کہیں بڑھ کر بُغض اور کینہ اُس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پایا جاتا ہے۔ یہی حال چین کا ہے۔ وہاں مسلمانوں نے بھی حکومت کی ہے اور دوسری قوموں نے بھی حکومت کی ہے۔ مثلاً بدھوں نے ایک وقت تک چین پر حکومت کی ہے لیکن چینیوں کو مسلمانوں سے اتنی دشمنی نہیں جتنی انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ سپین میں مسلمانوں نے عیسائیوں پر حکومت کی ہے اور مراکو میں ہسپانویوں نے مسلمانوں پر حکومت کی ہے۔ ''عوضِ معاوضہ گلہ نہ دارد۔'' مراکو کے لوگوں نے ہسپانیہ پر حکومت کی اور ہسپانیہ والوں نے مراکو پر حکومت کی۔ بظاہر یہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے لیکن ہوتا کیا ہے؟ مراکو پر ہسپانیہ والے حکومت کرتے ہیں تو وہاں کے لوگ ہسپانیہ والوں کو تو گالیاں دیتے ہیں، انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کوئی گالی نہیں دیتا نہ کوئی بُرا بھلا کہتا ہے۔ لیکن مراکو ہسپانیہ پر حملہ کرتا ہے تو ہسپانیہ والوں میں مسلمانوں کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دشمنی اور بُغض و کینہ پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ دونوں متوازی قومیں تھیں۔ ایک وقت تک میں اگر مراکو والوں نے ہسپانیہ پر حکومت کی تو دوسرے وقت میں ہسپانیہ والوں نے مراکو پر حکومت کی۔ اس کے نتیجہ میں ایک زمانہ تک مراکو والوں میں ہسپانیہ والوں کے متعلق بُغض و کینہ پیدا

ہوجاتا ہے اور ان سے دشمنی ہو جاتی ہے لیکن یہ بُغض و کینہ حکومت کرنے والوں تک ہی محدود رہتا ہے مذہب کے بانی کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ لیکن اِس کے برخلاف ہسپانیہ والے مراکو کی حکومت کے بدلہ میں صرف مراکو والوں سے دشمنی نہیں رکھتے بلکہ ان کی دشمنی اور بُغض و کینہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف بھی منتقل ہو گیا ہے اور صرف منتقل ہی نہیں ہوا بلکہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو دشمنی اور بُغض و کینہ پیدا ہوا وہ اُس دشمنی اور بُغض و کینہ سے کہیں زیادہ ہے جو ہسپانیہ والوں کو حکومت کرنے والوں سے تھا۔ مراکو میں چلے جاؤ وہاں عیسائیوں کو تو گالیاں دینے والے مل جائیں گے، انہیں بُرا بھلا کہنے والے مل جائیں گے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دینے والا اور بُرا بھلا کہنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ لیکن ہسپانیہ والے صرف مسلمانوں ہی کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھی شدید دشمن ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا تھا کہ وہ جامع مسجد میں چلے جاتے تھے، وہاں خطبہ ہو رہا ہوتا تو وہ کھڑے ہوکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دینے لگ جاتے۔ اِس پر مسلمان جوش میں آ کر اُس عیسائی کو قتل کر دیتے اور سارے ملک میں شور برپا ہو جاتا کہ مسلمان ظالم ہیں۔ آخر دیکھنے والی بات ہے کہ اِس کی وجہ کیا ہے؟ ظاہری طور پر تو اِس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگر آپؐ نے کوئی فائدہ اٹھایا ہوتا، اگر آپؐ نے بادشاہت حاصل کرنے کی کوشش کی ہوتی یا اپنی نسل کے لیے بادشاہت حاصل کرنے کی خواہش کی ہوتی یا آپؐ کے خاندان نے مال و اسباب لُوٹا ہوتا تب تو دوسرے لوگوں کو آپؐ سے دشمنی ہوسکتی تھی لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ نہ آپؐ نے اپنے لیے ایسا کیا نہ آپؐ نے اپنی اولاد کے لیے ایسا کیا۔ ہاں ''حق اولاد در اولاد'' کے مطابق آپ کی اولاد میں جو نیک لوگ تھے لوگ اُن کا ادب و احترام کرتے تھے۔ وہ ان کا ادب و احترام اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ آپؐ کی اولاد ہیں بلکہ وہ ان کا ادب و احترام اس لیے کرتے تھے کہ ان میں خود بعض اچھی خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ ورنہ اسلام نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی کہ سید کو فلاں جگہ دی جائے، فلاں جگہ نہ دی جائے۔ غرض کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو آپؐ نے اپنے لیے یا اپنی نسل کے لیے مخصوص کی ہو لیکن آپؐ کی مخالفت انتہاء تک پہنچی ہوئی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ آپؐ نے لڑائیاں کی تھیں اس لیے دوسرے لوگوں کو آپؐ سے دشمنی ہوگئی ہے۔تو ہم کہتے ہیں بے شک آپؐ نے لڑائیاں کی ہیں لیکن ساتھ ہی آپؐ کی یہ ہدایات بھی تھیں کہ بوڑھوں کو مت مارو، عورتوں اور بچوں کو مت چھوؤ، راہبوں اور پادریوں کو کچھ نہ کہو، جو قیدی ہو جائیں اُنہیں مت مارو، کسی پر اچانک حملہ نہ کرو بلکہ حملہ کرنے سے پہلے اسے بتا دو کہ ہم حملہ کرنے والے ہیں۔ اگر کسی قوم یا قبیلہ سے تمہارا معاہدہ ہو تو اُسے توڑو نہیں۔ لیکن اگر تم دیکھتے ہو کہ وہ قوم یا قبیلہ معاہدہ توڑ رہا ہے تو اُسے کہہ دو کہ ہم اپنا معاہدہ ختم کرتے ہیں۔ بلکہ آپؐ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جب دشمن کے ساتھ تمہاری چپقلش ہو جائے اور وہ تم پر زیادتی کرے تو بعض قسم کی زیادتیوں کے بدلہ میں بے شک تمہیں اجازت ہے کہ تم دشمن کے ساتھ اُتنی زیادتی کر لو جتنی زیادتی اُس نے تمہارے ساتھ کی ہے۔ لیکن بعض قسم کی زیادتیوں کے بدلہ میں تمہیں اتنی زیادتی کرنے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ جو زیادتی انسانیت سے ہی گری ہوئی ہو اُس کے بدلہ میں اُتنی زیادتی کرنا بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ یہ احکام تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لڑائیوں کے متعلق دیئے۔ آپؐ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ایک شرعی نبی گزرے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی لڑائیاں کی ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑائیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ تم دشمن کے گھر میں گُھس جاؤ، اُس کے تمام مردوں کو قتل کر دو، اس کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لو بلکہ اُس کے جانوروں تک کو بھی قتل کر دو کیونکہ وہ بھی نجس اور ناپاک ہیں، اس کے گھروں کو جلا دو، اس کی فصلوں کو تباہ کر دو۔1 اب اگر لڑائیوں کی ہی وجہ سے لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دشمنی پیدا ہوگئی ہے تو آپ سے زیادہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دشمنی ہونی چاہیے تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو ہمیں کوئی دشمن نظر نہیں آتا۔ اگر یہ دشمنی لڑائیوں کی ہی وجہ سے تھی تو آپؐ سے زیادہ حضرت کرشن علیہ السلام سے دشمنی ہونی چاہیے تھی جنہوں نے نہ صرف لڑائیاں کی ہیں بلکہ لڑائی کے متعلق نہایت ہی سخت تعلیم دی ہے۔ لیکن کرشن علیہ السلام کے دشمن بھی کہیں نظر نہیں آتے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن عام پائے جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ لوگوں کی آپؐ سے دشمنی ان لڑائیوں کی وجہ سے ہے جو آپؐ نے کیں محض جھوٹ ہے آپؐ سے پہلے اَور بھی کئی نبی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے لڑائیاں کی

ہیں ۔مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام نے لڑائیاں کی ہیں۔حضرت کرشن علیہ السلام نے لڑائیاں کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑائیاں کی ہیں مگر باوجود اس کے کہ انہوں نے لڑائیاں کیں اُن کے متعلق مخالفین میں اتنا بُغض اور کینہ پیدا نہیں ہوا جتنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہوا ہے۔

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کی جو مادی وجہ بیان کی جاتی ہے وہ باطل ہوگئی اور یہی ایک مادی وجہ ہے جو بیان کی جاتی ہے۔ پس جب مخالفت کی کوئی مادی وجہ موجود نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی کوئی روحانی وجہ ہے اور وہ صرف یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالفین کے دل محسوس کرتے ہیں کہ اسلام ایک صداقت ہے۔ اگر اسے روکا نہ گیا تو یہ صداقت پھیل جائے گی اور انہیں مغلوب کر لے گی۔ یہی ایک چیز ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے سخت دشمنی ہے۔ اس مخالفت کے باقی جتنے بھی وجوہ بیان کیے جاتے ہیں وہ آپ سے زیادہ شان کے ساتھ دوسرے نبیوں میں موجود ہیں۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ اس دشمنی کی وجہ لڑائی اور جھگڑا نہیں بلکہ ایک روحانی چیز ہے جس کی وجہ سے یہ دشمنی پیدا ہوگئی ہے اور وہ یہی ہے کہ اسلام ایک حقیقت رکھنے والا مذہب ہے۔ اسلام غالب آ جانے والا مذہب ہے، اسلام دوسرے مذاہب کو کھا جانے والا مذہب ہے۔ اسے دیکھ کر مخالفین کے کان فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ مقابلہ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہم باغ میں چل رہے ہوتے ہیں یا کہیں سیر کر رہے ہوتے ہیں تو ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کوئی شِکرا یا باز آ رہا ہے مگر چڑیاں چُوں چُوں کر کے اُڑنے لگ جاتی ہیں۔ ہم حیران ہوتے ہیں کہ آخر ہوا کیا؟ ہم اِدھر اُدھر بڑے غور سے دیکھتے ہیں تو اُفق پر بہت دور ایک شِکرا اُڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ یا ہم دریا کی سیر کر رہے ہوتے ہیں مرغابیاں پچ پچ کر کے گھاس اور کیچڑ چاٹ رہی ہوتی ہیں اور اپنے پَر پھیلا پھیلا کر اپنے جسم سے رطوبت اور پانی کے قطرے گرا رہی ہوتی ہیں۔ دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ آرام طلبی اور عیاشی صرف انسان کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ جانور بھی اس کے مزے اُڑا رہے ہیں ۔ یکدم وہ مرغابیاں اُڑ جاتی ہیں اور ہمیں اُس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ بڑی تلاش کرنے کے بعد دور اُفق پر ایک شکار کرنے والا جانور مثلاً باز نظر آتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرغابیاں کیوں اُڑیں؟ دیکھو اِن جانوروں نے کہاں سے اُس شکار کرنے والے جانور کی بُو سونگھ لی؟ ہم نے وہ بُو نہیں سونگھی۔

اس لیے کہ وہ جانور اُس کے شکار تھے ہم اُس کا شکار نہیں تھے۔ ہم نے اس حملہ کرنے والے جانور کی آمد کو محسوس نہیں کیا مگر ان جانوروں نے اس کی آمد کو محسوس کر لیا کیونکہ وہ اُس کا شکار تھے اور شکار ہمیشہ اپنے شکاری کو بھانپ جایا کرتا ہے۔ اِسی طرح یہ لوگ چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکار ہیں اس لیے وہ آپؐ کے مخالف ہو گئے ہیں اور یہی ایک وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ آپؐ کے دشمن ہیں۔ اور اگر یہی ایک وجہ ہے تو یہ بات ہمارے لیے غم کا موجب نہیں ہونی چاہیے بلکہ خوشی کا موجب ہونی چاہیے۔

لوگ گھبراتے ہیں کہ اُن کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ لوگ جھنجھلا اُٹھتے ہیں کہ اُن سے عداوت کیوں کی جاتی ہے۔ لوگ چڑتے ہیں کہ انہیں دکھ کیوں دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر گالیاں دینے اور دکھ دینے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہمارا شکار ہیں تو پھر ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ کسی قسم کا فکر کرنا چاہیے۔ بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیے کہ دشمن یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ہم میں کوئی نئی حرکت پیدا ہوئی تو ہم اُس کے مذہب کو کھا جائیں گے۔ اگر ہم نے اپنے اندر کوئی نئی تبدیلی پیدا کی تو ہم اُن کے عقائد کو باطل کر دیں گے۔ اگر ہمارے دشمن کے اندر یہ احساس پایا جاتا ہے تو پھر اُس کا لڑنا جھگڑنا اور ہمیں گالیاں دینا ہمارے حوصلوں کو بڑھانے والا ہے کیونکہ وہ محسوس کر رہا ہے کہ ہم میں ایسی طاقت ہے جس کی وجہ سے ہم اُس کو اپنے اندر شامل کر لیں گے۔ ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم اُسے دینی طور پر مغلوب کر لیں گے۔ پس اس مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ یہ دشمن کی شہادت اور اقرار ہے کہ تم غالب آ جاؤ گے اور پیشتر اس کے کہ تم اُس پر غالب آؤ وہ تمہارے غلبہ کو توڑنا چاہتا ہے۔ پس دشمن کا یہ سلوک ہمارے لیے خوشی کی خبر لاتا ہے اور ہمیں خوش ہو کر اُس طاقت کو استعمال کرنا چاہیے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے اندر ودیعت کی ہے جس کو سونگھ کر دشمن صرف یہ پتا ہی نہیں لگا لیتا کہ یہ خطرناک ہے بلکہ وہ اُس زنجیر کو پا لیتا ہے جو آج سے تیرہ سو سال قبل چلی جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ بیسویں صدی کا آدمی ہے مگر اُس کے اندر یہ طاقت اور قوت آج ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ چیز تیرہ سو سال قبل کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔

کیا کبھی آپ لوگوں نے کُتّوں کو نہیں دیکھا؟ وہ انسان کی بُو سونگھ لیتے ہیں۔ چور چوری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ کسی جگہ لگتا ہے یا اُس کا کپڑا کسی چیز سے چُھو جاتا ہے تو وہ مقام یا

کپڑا کسی سُونگھنے والے کُتے کو سُونگھا دیا جاتا ہے۔ اِس پر وہ کُتّا یہ محسوس نہیں کرتا کہ اُس نے کپڑا یا کوئی جُوتی سُونگھی ہے بلکہ وہ بُو اُس کے لیے ایک زنجیر بن جاتی ہے جس کے ساتھ ساتھ وہ بھاگنا شروع کر دیتا ہے اور وہ چور جہاں ہوتا ہے اُسے پکڑ لیتا ہے۔ اس طرح جو شخص روحانی طور پر اسلام کو سُونگھتا ہے وہ ایک ایسی زنجیر کو پا لیتا ہے یا ایک ایسے راستہ کو پا لیتا ہے جو اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک لے جاتا ہے۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ دراصل یہ سب قوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی آئی ہے۔ اس لیے وہ اپنی دشمنی کو موجودہ مسلمانوں سے آگے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بڑھا لیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اسلام میں ایک ایسی تار ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک چلی گئی ہے۔ باقی مذاہب میں وہ یہ تار نہیں دیکھتا۔ وہ مسیحیت کو بُرا کہہ لے گا، عیسائیوں کو بُرا کہہ لے گا مگر مسیح علیہ السلام کو بُرا نہیں کہے گا کیونکہ وہاں کوئی ایسا رشتہ موجود نہیں جس سے مسیحیت یا کسی عیسائی کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام بھی سُونگھے جا سکیں۔ وہ ایک پنڈت کو بُرا کہہ لے گا، وہ بسا اوقات اس سے ناراض بھی ہو جائے گا لیکن وہ کرشن علیہ السلام سے ناراض نہیں ہوگا کیونکہ اُس پنڈت اور کرشن علیہ السلام کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس سے کرشن علیہ السلام سُونگھے جائیں۔ مگر اسلام میں ساری برکت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جو شخص اسلام کو سُونگھتا ہے وہ اُس تار کو پا لیتا ہے جو اُسے آج سے تیرہ سو سال قبل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک لے جاتی ہے۔ اُس کا ناک اُس کی رہبری کرتے کرتے اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ تک پہنچا دیتا ہے اور وہ آپ کا دشمن ہو جاتا ہے۔ پس ہمیں یہ دیکھ کر کہ دشمن ہماری قوت اور طاقت کو محسوس کر کے جھلّا اُٹھا ہے خوش ہونا چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں نے جماعت کو بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے لیکن افسوس کہ جماعت نے اس طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ اگر جماعت اس امر کی طرف توجہ کرتی تو یقیناً اس کی تعداد اتنی بڑھ جاتی کہ کوئی شخص دشمنی کی جرأت بھی نہ کر سکتا۔ یہ کمی اِسی لیے پیدا ہوگئی ہے کہ ہماری طرف سے سُستی اور غفلت برتی جا رہی ہے۔ شیر سے ہر کوئی ڈرتا ہے لیکن چڑیا گھر والے شیر سے کوئی بھی نہیں ڈرتا کیونکہ اُس کے اردگرد دیوار بنی ہوئی ہوتی ہے یا سلاخیں لگی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ ہمیں اُس سے محفوظ کر لیتی ہیں۔ اِسی طرح مومن بے شک شیر ہے مگر جب وہ اپنے اردگرد غفلت کی سلاخیں لگا لیتا ہے، جب وہ

اپنے اردگرد بے عملی کا قلعہ بنا لیتا ہے تو کوئی شخص اُس سے نہیں ڈرتا کیونکہ ہماری اپنی بنائی ہوئی دیواریں اُسے محفوظ کر لیتی ہیں۔ پس اگر ہم اس قلعہ کو گرا دیں جو ہم نے اپنے اردگرد بنایا ہوا ہے تو یقیناً شیر شیر ہے۔

پس ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر ایک نئی تبدیلی پیدا کرے۔ایک ایسی تبدیلی جو ایک قلیل ترین عرصہ میں اُسے دوسری قوموں پر غالب کر دے۔ ایک جرمن دوست یہاں آئے ہوئے ہیں تا کہ وہ دینی علوم سیکھیں اور واپس جا کر اشاعتِ اسلام کا کام کر سکیں۔ اگر آپ لوگ اچھا نمونہ پیش کریں گے تو یہ بھی اچھا نمونہ لے کر واپس جائیں گے۔ ان لوگوں میں کام کرنے کی عادت ہے۔ جب یہ لوگ ایمان لے آئیں گے تو یقیناً اسلام کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کریں گے کیونکہ دنیا کے لیے جو قربانیاں یہ لوگ کرتے ہیں، جس دلیری کے ساتھ یہ لوگ جنگ کرتے اور اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں ایشیائی لوگ اُس طرح نہیں کرتے۔ جب یہ لوگ ایمان لے آئیں گے تو جس طرح وہ دنیوی ضرورتوں کے لیے قربانیاں کرتے ہیں اُس سے بڑھ چڑھ کر وہ انشاء اللہ دین کے لیے قربانی کریں گے اور اس طرح یہ سلسلہ تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اچھا نمونہ پیش کیا جائے۔ اور ہم اپنے اندر بھی جدوجہد کا مادہ پیدا کریں کیونکہ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو یہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ مُردہ قوم ہے اس سے ہمیں سوائے مُردنی کے اَور کیا ملے گا۔ اگر ہم اپنے اندر محنت، ہمت اور استقلال پیدا کر لیں، ہم اپنی عقلوں سے کام لیں تو یہ لوگ بھی ہم سے اسلام سیکھ کر اُس کو آگے پھیلانے کی کوشش کریں گے۔ جس طرح بچے اینٹوں کا گھر بناتے ہیں اور اس کی ایک اینٹ گرا دینے سے تمام اینٹیں گر جاتی ہیں اُسی طرح اگر ہم قربانی کریں گے تو ہمارے رستہ میں جتنی بھی روکیں ہیں یکے بعد دیگرے دور ہوتی چلی جائیں گی۔

کہتے ہیں کوئی شخص کسی قلعہ یا بُرج میں قید تھا۔ اُس کے رُفقاء نے تجویز کی کہ اُسے کس طرح قید سے نکالا جائے لیکن انہیں کوئی ایسا ذریعہ نہ ملا۔ آخر انہیں ایک عقلمند آدمی نے ایک تجویز بتائی اور وہ یہ کہ اُس نے ایک ریل کا دھاگا لیا اور دھاگے کا ایک سِرا تیر کے ساتھ باندھ کر تیر اوپر کھڑکی میں مارا۔ تیر کھڑکی میں جا لگا۔ قیدی نے وہ دھاگا اُوپر کھینچ لیا۔ جب دھاگا اوپر پہنچ

گیاتو اُس نے دھاگے کے سِرے کے ساتھ ذرا موٹا دھاگا باندھ دیا۔ پھر اُس کے آگے سُتلی [2] باندھ دی۔ پھر اُس سے ذرا زیادہ موٹی رسّی اُس سُتلی کے ساتھ باندھ دی۔ اور پھر اُس رسّی کے ساتھ موٹا رسّہ باندھ دیا اور اس طرح رسّہ کے ذریعہ وہ قیدی نیچے اُتر آیا۔ اسی طرح اسلام کی ترقی ہوگی۔ مسلمانوں میں جو جان تھی وہ تو گویا نکل ہی گئی ہے۔ شاید لمبی غلامی، غفلت اور سُستی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے لیکن بہرحال اِس کی کوئی وجہ ہو ہم اگر اپنے سے زیادہ چُست قوموں میں سے آدمی لے لیں اور پھر وہ آدمی اپنے سے زیادہ چُست قوموں سے آدمی لیں تو جس طرح دھاگے کے ساتھ آہستہ آہستہ رسّہ باندھ دیا گیا تھا اور رسّہ اوپر چلا گیا اِس طرح کمزور سے کمزور آدمی کے ذریعہ قوی سے قوی لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے اور اسلام تمام ممالک میں پھیل جائے گا۔ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے لیکن وہ تدبیروں سے بھی کام لیتا ہے اور ایسے رستے کھول دیتا ہے جن سے ترقی کے رستے وسیع سے وسیع تر ہو جاتے ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم صحیح رنگ میں اپنی اصلاح کریں تا کہ اپنا نیک نمونہ پیش کر سکیں اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے والے بنیں اور ہم اشاعتِ اسلام کے لیے ایسی مناسب فضاء پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس کے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے"۔ (الفضل 24 جولائی 1949ء)

1: استثناء باب 20 آیت

2: سُتلی: سَن یا سُوت کی ڈوری (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 11 صفحہ 501 کراچی 1990ء)